حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مستشرقین کے شبہات

جناب محمد رضی الاسلام ندوی

انبیاء کی تاریخ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک اہم مقام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو آزمائشوں میں پورا اترنے اور قربانیاں دینے کے صلے میں ساری دنیا کا امام بنادیا۔ آپ کے بعد نبوت اور کتاب کو آپ ہی کی نسل میں محدود کر دیا۔ چنانچہ آپ کے بعد جتنے بھی انبیاء مبعوث ہوئے سب کے سب آپ ہی کی نسل سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی شخصیت کو بعد کے لوگوں کے لیے "لسان صدق" بنادیا۔ چنانچہ آپ کے بعد آنے والے تمام انبیاء نے اور کتب سماویہ اور ادیان الٰہیہ کو ماننے والی تمام اقوام نے آپ کی تصدیق کی اور آپ کی طرف اپنا انتساب کرنے میں فخر محسوس کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو فرزند عطا کیے۔ حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق، حضرت اسحاق شام میں رہے اور وہیں ان کی نسل پھلی پھولی۔ حضرت اسحاق کے دو لڑکے تھے۔ حضرت یعقوب اور ادوم، حضرت یعقوب علیہ السلام کی نسل بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ بعد میں یہودا ابن یعقوب کی طرف نسبت سے یہودیت کی بنیاد پڑی۔ حضرت اسماعیل مکہ میں آباد ہوئے اور یہیں آپ کی نسل کو فروغ ہوا جو بعد میں بنی اسماعیل کے نام سے مشہور ہوئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان دونوں نسلوں میں ابتدا ہی سے منافست رہی جو رفتہ رفتہ شدید عصبیت اور عداوت میں تبدیل ہوتی گئی۔ بنی اسرائیل نے تمام فضائل اپنی طرف منسوب کر لیے اور بنی اسماعیل کو ہر فضیلت سے محروم کر دیا۔ اپنے آپ کو "خدا کا چہیتا" کہنا شروع کر دیا اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے ان کی نسل کی کثرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ بنی اسرائیل ہی سے متعلق تھا۔ بنی اسماعیل اس وعدہ کے مستحق نہیں۔ بنی اسرائیل کی اس عادتِ بد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ رقم طراز ہیں: "بنی اسرائیل کی یہ عادت رہی ہے ہر قابلِ فخر بات کو وہ اپنی نسل کی طرف منسوب کرتے ہیں اور دوسری نسلوں کے لیے ان کے یہاں یا تو چھوٹے

الزامات ہیں یا پھر کم از کم یہ کہ جو فخر ان کو حاصل ہوا ہو اسے بھی چھین کر اپنے حساب میں لکھ لیں[۱۹]چنانچہ بنی اسرائیل نے اپنی آسمانی کتاب تورات کو "قومی تاریخ کی کتاب" بنا دیا۔ اس میں صرف وہی چیزیں باقی رکھیں جو ان سے متعلق تھیں اور جو چیزیں ان کی تاریخ و تہذیب سے متعلق نہ تھیں اور ان کا تعلق عرب یا کسی دوسری سرزمین سے تھا۔ ان میں سے بیشتر کو خارج کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں تورات میں ہود، صالح اور شعیب علیہم السلام (جو جزیرۂ عرب میں مبعوث ہوئے تھے) کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔ اسی طرح تورات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عرب سے تعلق کی بابت بھی خاموش ہے۔ اس میں حضرت ابراہیم کی جزیرۃ العرب کی طرف ہجرت کا کوئی ذکر تک نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ (تورات کی رو سے) حضرت ابراہیم شام، مصر، فلسطین اور دوسرے مقامات کی طرف ہجرت کریں مگر جزیرۃ العرب کا رخ نہ کریں جبکہ مصر اور دوسرے ممالک کی بہ نسبت جزیرۃ العرب کا سفر آسان تھا اور اس طرح سفر کرنے میں کوئی رکاوٹ بھی نہ تھی؟! اسی طرح خانہ کعبہ کی تطہیر کے بارے میں بھی تورات سے کچھ نہیں معلوم ہوتا جبکہ حضرت ابراہیمؑ کا خانہ کعبہ تعمیر کرنا ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔

یہی نہیں بلکہ حقائق کو مسخ کر کے اور تورات میں تحریف کر کے انھوں نے کہنا شروع کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے جس بیٹے کو اللہ نے قربان کرنے کا حکم دیا تھا وہ اسحاق ہیں نہ کہ اسماعیل اسی طرح انھوں نے حضرت ہاجرہ کو لونڈی قرار دے کر بنی اسماعیل کو "لونڈی کی اولاد" کہنا شروع کر دیا[۲۰]۔ اس طرح یہود کی ابتدا ہی سے یہ کوشش رہی ہے کہ بنی اسماعیل سے تمام فضائل چھین لیں۔ حضرت ابراہیم سے ان کے تمام تعلقات منقطع کر دیں اور ان تمام چیزوں کو پردۂ خفا میں ڈال دیں جن سے عرب کی عظمت اور شرف کا اشارہ ملتا ہے "فاران" کو فلسطین کا ایک مقام بتلانا "مروہ" کو "موریا" بنا دینا اور "وادی بکہ" کو "وادی بکاء" قرار دینا اس کا بین ثبوت ہے۔

عصر حاضر کے مسیحی ماہرین آثار قدیمہ نے بھی یہود کی اسی ٹکنیک پر عمل کیا جسے انھوں نے بنی اسرائیل کی تاریخ مرتب کرتے وقت اختیار کیا تھا۔ چنانچہ انھوں نے آثار قدیمہ کی کھدائی میں برآمد ہونے والے لوحات وکتبات کو (جن سے عرب کی عزت وشرف اور عظمت کا پتہ چلتا تھا) ظاہر نہیں کیا بلکہ ان کے لیے ایسی اصطلاحیں ایجاد کیں کہ ان سے عربوں کی تاریخ کی طرف ذہن منتقل ہی نہ ہو۔ مثال کے طور پر بابل، ثمود اور کنعانیین وغیرہ کی تہذیبیں خالص عربی تہذیبیں تھیں مگر ان پر انھوں نے "عربی تہذیبوں" کا اطلاق نہیں کیا۔ بلکہ ان کی نسبت انھوں نے جد اعلیٰ سام بن نوح کی طرف کر کے انھیں 'سامی تہذیبوں' اور 'سامی قوموں' کا نام دیا۔ تاکہ قاری کا ذہن ان قوموں

کی عظمت کی طرف منتقل نہ ہونے پلائے جو روز اول سے بنی اسرائیل کی منافست کرتی رہی ہیں[۳]۔

مستشرقین نے بھی بنی اسماعیل دشمنی کی یہ میراث یہود سے حاصل کی۔ چنانچہ انھوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جو شکوک و شبہات پیدا کیے ہیں ان سب کا مقصد یہ ہے کہ اس طرح وہ حضرت ابراہیم کا رشتہ عرب سے کاٹ دیں۔ اہل عرب جن فضائل سے متصف ہیں ان سے انھیں محروم کردیں اوران کے ماضی کو ماقبل التاریخ کی تاریکیوں میں گم کردیں۔ دوسری طرف مشرق میں ان کے شاگردان رشیدان کی اتباع میں اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے سرے سے حضرت ابراہیم کی شخصیت ہی کا انکار کر دیا اور انھیں ایک فرضی اور خیالی شخصیت قرار دینے لگے۔

پیش نظر مقالہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں مستشرقین کے ایسے ہی چند شبہات پر بحث کی جائے گی اور وہ حقائق کی روشنی میں ان کا علمی تجزیہ کیا جائے گا۔

ا۔حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کا انکار

مستشرقین اوران کے ہم نواؤں نے ایک عام شبہ یہ پیدا کیا ہے کہ قرآن کریم میں جو قصے مذکور ہیں وہ ضروری نہیں کہ تاریخی حیثیت سے بھی مستند ہوں اور عالم وجود میں واقع ہوئے ہوں بلکہ وہ محض خیالی قصے بھی ہوسکتے ہیں جن کے بیان کرنے کا مقصد محض بلاغی تاثیر اور عبرت و نصیحت ہو۔ چنانچہ ڈاکٹر محمد احمد خلف اللہ اپنی کتاب "الفن القصصی فی القرآن" قرآن میں فن قصص ہیں میں لکھتے ہیں۔

> "قرآن کریم کے قصے اور وہ قصے جو ناول نگاروں اور افسانہ نویسوں نے لکھے ہیں، دونوں اس حیثیت سے برابر ہیں کہ ان میں خیالات اور اوہام کی کارفرمائی ہوتی ہے شعر و ادب اور فکر و فن ہوتا ہے۔ اباطیل و خرافات اور بے بنیاد قصے ہوتے ہیں جن میں مخاطبین اور قارئین کے رجحانات و میلانات کو ملحوظ رکھا جاتا ہے، ان کے احساسات اور خواہشات کی رعایت کی جاتی ہے اوران کی معلومات کی تائید کی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے ادبی بلاغت اور فن قصص کے سلسلہ میں اخبار و حکایات کے بیان کرنے میں حق و صداقت کا التزام نہیں کیا ہے بلکہ اس کا مقصود صرف "بلاغی تاثیر" ہے[۴]۔

یہ تو قرآنی قصوں کے بارے میں عموماً کہا گیا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کو نشانہ بناتے ہیں اور آسمانی کتابوں کی تردید و تکذیب کرتے ہوئے

اس کا سرے سے انکار کرتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے اپنی کتاب "فی الشعر الجاہلی" میں لکھا ہے:

"تورات حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے بارے میں جو چاہے کہے، اسی طرح قرآن بھی ان دونوں کے بارے میں جو چاہے بیان کرے مگر ان دونوں کا تورات اور قرآن میں مذکور ہونا ان کے تاریخی وجود کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس سے وہ قصہ ثابت کیا جائے جس سے اسماعیل و ابراہیم علیہما السلام کی مکہ کی طرف ہجرت کا اشارہ ملتا ہے"[۵]

بعض عقلیت زدہ روشن خیال لوگوں کا کہنا ہے کہ ابراہیم پرانے زمانے کی کوئی متعین شخصیت اور علَم نہیں ہے۔ بلکہ یہ شیخ القبیلہ کا لقب ہوا کرتا تھا۔ مولانا عبدالماجد دریابادی کے الفاظ میں:

"جہل و بے خبری بھی عجیب چیز ہے اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ جو وحی کے منکر ہوتے ہیں وہ خود علم و عقل کے بھی دشمن ہو جاتے ہیں۔ زیادہ نہیں چالیس ہی پچاس برس پہلے کی بات ہے کہ روشن خیالی نے حضرت ابراہیم کے وجود ہی سے انکار کر دیا تھا اور یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ اس نام کی کوئی شخصیت ہی نہیں گزری ہے اور یہ تو نوعی نام شیخ قبیلہ کا ہے"[۶]

قرآن کریم اگرچہ کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جو قدیم حوادث اور گزشتہ واقعات کی ترجمانی کرتی ہو۔ بلکہ وہ آسمانی کتاب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی ہدایت کے لیے اور انھیں صراط مستقیم کی طرف دعوت دینے کے لیے نازل فرمایا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ اس میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ خرافات اور اساطیر کے قبیل سے ہیں اور حقیقت سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نے واقعات و حکایات بیان کرنے میں حق و صداقت سے کام نہیں لیا ہے۔ ان کے پاس اپنے اس مفروضہ دعوی کے ثبوت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔ بہت سے قصے ایسے ہیں جو نہ تو کتاب مقدس میں مذکور ہیں اور نہ یہود کی دیگر کتب ہی میں ان کا تذکرہ ملتا ہے۔ مگر قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے اس چیز کو بنیاد بنا کر دشمنان اسلام نے یہ شبہ پیدا کرنا شروع کر دیا کہ قصص قرآنی محض وہم و خیال پر مبنی ہیں۔ ان کا وقوع عالم وجود میں نہیں ہوا ہے ان کو بیان کرنے کا مقصد صرف بلاغی تاثیر ہے۔ لیکن جدید تحقیقات اور قدیم تاریخ دونوں سے ان شبہات کی تردید ہوتی ہے اور ان واقعات کا حقیقی ہونا ثابت ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر عاد، اور ثمود کا قصہ کتاب مقدس میں مذکور نہیں۔ صرف قرآن نے ان کا ذکر کیا ہے، ان کی تہذیب و

تمدن کی ترقی بیان کی ہے اور ان کی ہلاکت کا نقشہ کھینچا ہے۔ چنانچہ قرآن میں شک وشبہ پیدا کرنے والوں نے ان قصوں کو خیالی اور خرافاتی کہنا شروع کر دیا۔ بالآخر وہ وقت آیا جب کہ جغرافیہ بطلیموس نے ان کی تصدیق کر دی۔ اس میں عاد (OADITA) اور ثمود (THAMUDITA) کا نام آیا ہے۔ اور ان کا محل وقوع مملکت اسرائیل سے قریب بتلایا گیا ہے۔"

یہی حال ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی شخصیتوں کا ہے۔ بغیر کسی دلیل کے ان کا انکار کرنا اور انھیں خرافاتی قرار دینا علمی امانت و دیانت کے سراسر خلاف ہے۔ جبکہ اس کے برعکس اسلامی یہودی، مسیحی اور دیگر بہت سے مراجع حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تاریخی وجود ثابت کرتے ہیں۔ اسی طرح آپ کا ذکر تاریخ قدیم کی کتابوں میں بھی آیا ہے، مثلاً یوسیفوس یہودی (جو پہلی صدی مسیحی سے تعلق رکھتا ہے) اپنی تاریخ میں کہتا ہے:

"مورخ بریوس نے ہمارے باپ ابراہیم کا تذکرہ کیا ہے۔ البتہ آپ کے نام کا ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ طوفان کے بعد دسویں پشت میں، کلدانیوں کے مابین ایک راست باز شخص رہتا تھا جو علوم سماویہ میں کامل دسترس رکھتا تھا۔ مورخ ہکتاتورس (تیسری صدی قبل مسیح) نے مزید یہ بتلایا ہے کہ اس نے ان کے بارے میں ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ نقولا دمشقی اپنی تاریخ کی چوتھی کتاب میں کہتا ہے "ابراہیم نے دمشق میں حکومت کی، اس نے دمشق میں حملہ کر کے حکومت حاصل کی تھی، وہ بابل کی سرزمین سے اس ملک میں آیا تھا جسے 'کلدانیوں کا ملک' کہتے تھے۔ دمشق میں وہ زیادہ عرصہ نہیں رکا، وہاں سے ہجرت کر کے وہ اپنی قوم کے ساتھ کنعان کے ملک میں پہنچا (جسے آج کل یہودا کہتے ہیں) وہیں اس کی نسل پھلی پھولی اور پروان چڑھی۔ اس کے بارے میں دوسری کتاب میں تذکرہ کروں گا۔ ابرام کا نام دمشق کے ملک میں بعد میں عرصہ تک مشہور رہا۔ اس علاقہ میں ایک گاؤں کا نام مسکن ابرام ہے"" ؎

دراصل قرآنی قصوں میں شبہ پیدا کرنے والے ہر اس واقعہ کی تردید میں سرعت دکھلاتے ہیں جس کا تعلق خوارق و معجزات سے ہو۔ مثلاً جب قرآن کہتا ہے کہ فلاں شہر یا فلاں بستی کو اللہ تعالیٰ نے اس کی سرکشی اور فساد کی بنا پر ہلاک کر دیا تو یہ لوگ فوراً اس قصے کی تردید کرنے لگتے ہیں کہ اس بستی کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں اس کا فتنہ و فساد محض جھوٹ اور خیالی ہے۔ اس کی طرف کوئی

نبی نہیں بھیجا گیا۔ پورا قصہ خرافات اور خیال کے قبیل سے ہے۔

لیکن آثار قدیمہ کی کھدائی سے حاصل ہونے والی جدید تحقیقات سے ان تمام چیزوں کی تصدیق ہوگئی ہے اور وہ تمام چیزیں منصۂ شہود پر آگئی ہیں جو ایک صدی قبل لوگوں کی نگاہوں سے مخفی تھیں۔ مثلاً ماہرین آثار قدیمہ نے عراق، اردن، سواحل بحر احمر اور جنوب عرب میں صحرا اُحقاف میں جو کھدائی کی ہے اس سے یہ حقیقت پوری طرح کھل کر سامنے آگئی ہے کہ قوموں کی ہلاکت ایک ثابت شدہ امر ہے۔ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ اس لیے کہ یہ سرزمینیں زلزلوں، زمینی جھٹکوں اور فضائی حوادث کی سرزمینیں ہیں اور ان کا زمانہ بھی تقریباً وہی ہے جو دینی تواریخ میں بیان کیا گیا ہے۔ ان اہم تنقیبات اور کھدائیوں میں سے ایک وہ ہے جسے اس اثری ٹیم نے انجام دیا تھا جو برٹش میوزیم اور امریکہ کی PENNSY LOUANIA کے مشترکہ سرمایہ پر ۱۹۲۲ء میں بابل کے آثار قدیمہ کی کھدائی کے لیے عراق بھیجی گئی تھی۔ اس نے سات سال تک اپنا کام جاری رکھا۔ اس ٹیم کی قیادت سر لیونارڈ وولی (SIR LEONARD WOLLEY) کر رہے تھے[۸]۔ سات سال کی مسلسل محنت اور تگ و دو میں اس ٹیم نے 'اُر' کا پورا شہر دریافت کرلیا، جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جائے پیدائش ہے، اور اس کی ترقی یافتہ تہذیب، وہاں کے باشندوں کی علوم و صناعات میں ترقی اور تجارت میں قریبی ملکوں سے تعلقات وغیرہ کے بارے میں بھی تفصیل اور تحقیقی معلومات فراہم کردیں۔ اس مہم کو سر کرنے کے بعد سر لیونارڈ وولی نے دو کتابیں لکھیں۔ ایک کا نام 'ابراہیم' (ABRAHAM) اور دوسری کا 'کلدانیوں کا ار' (UR OF CHALDEANS) ہے۔ ان میں وولی نے اپنی مہم میں حاصل ہونے والی تحقیقات و اکتشافات کا ذکر کیا ہے اور حضرت ابراہیم کے عہد میں کلدانیہ کی علمی و صنعتی ترقی، دینی و مذہبی حالت، رسوم و رواج، سیاسی حالات اور پڑوسی ملکوں سے تعلقات اور وہ تمام چیزیں بیان کی ہیں جو ایک ترقی یافتہ ملک اور ترقی یافتہ ملک اور ترقی یافتہ تہذیب میں پائی جاتی ہیں۔

اس اثری تحقیق کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شخصیت کا انکار مہمل اور بے معنیٰ ہو جاتا ہے جس کی، دلائل کی دنیا میں کوئی وقعت نہیں[۹]۔

۲۔ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت کا ارتقاء

اسی طرح مستشرقین نے دعویٰ کیا ہے کہ قرآن میں حضرت ابراہیمؑ کی شخصیت ارتقاء کے مراحل

طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ مکی سورتوں میں حضرت ابراہیم کا ذکر کسی اور صورت میں ملتا ہے اور مدنی سورتوں میں کسی اور طریقے سے۔ مشہور مستشرق ونسنک (WENSINCK) کہتا ہے:

اسپرنگر (SPRENGER) پہلا شخص ہے جس نے محسوس کیا کہ قرآن میں ابراہیمؑ کی شخصیت مختلف مراحل طے کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں کعبہ کے بانی کی حیثیت سے نمودار ہوتی ہے۔

اس کے کچھ عرصہ کے بعد "سنوک ہجرونیہ" نے اس دعوی کو کچھ تفصیل سے بیان کیا۔ اس نے کہا کہ جو سورتیں ابتدائی زمانے میں نازل ہوئیں — مثلاً الذاریات آیت ۲۴ و مابعد، الحجر آیت ۵۰ و مابعد الصافات آیت ۸۴ و مابعد، الانعام آیت ۷۴ و مابعد، ہود آیت ۷۲ و مابعد، مریم آیت ۴۲ و مابعد الانبیا، آیت ۵۲ و مابعد العنکبوت آیت ۱۵ و مابعد — ان میں ابراہیم علیہ السلام دوسرے رسولوں کی طرح محض ایک رسول کی حیثیت سے نظر آتے ہیں جو اپنی قوم میں انذار کا فریضہ انجام دیتے ہیں، ان سورتوں میں حضرت اسماعیل کا ان سے کوئی تعلق نہیں معلوم دیتا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بعض سورتوں میں یہ بھی اشارہ ملتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قبل عرب میں کوئی ڈرانے والا رسول مبعوث نہیں ہوا (السجدہ آیت ۲، سبا آیت ۴۴، یس آیت ۶) ان سورتوں میں کہیں مذکور نہیں کہ ابراہیم بیت اللہ کے بانی ومؤسس ہیں اور نہ یہ کہ وہ پہلے مسلمان ہیں۔ اس کے برخلاف مدنی سورتوں میں معاملہ برعکس ہے۔ ان میں ابراہیم علیہ السلام کو 'حنیف'، 'مسلم' اور 'ملت' ابراہیمی کا بانی قرار دیا گیا ہے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ الحرام (کعبہ) کی بنیاد اٹھائی (البقرہ آیت ۱۱۸ و مابعد، آل عمران ۶۰، ۸۴ وغیرہ)

حضرت ابراہیم کی شخصیت کے بارے میں اس اختلاف اور تعارض کا راز یہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ میں یہود پر بھروسہ کیا مگر جلد ہی انھوں نے ان کے خلاف دشمنی کی سازشیں شروع کر دیں چنانچہ ان کے لیے اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ کسی کو اپنا حامی ومددگار بنائیں یہاں ان کی سلیم الفطرت ذہانت نے انھیں ابوالعرب ابراہیم کی ایک نئی حیثیت سجھائی۔ اس طرح انھوں نے

اپنے زمانے کی یہودیت سے چھٹکارا حاصل کرکے اپنا تعلق ابراہیم کی یہودیت سے جوڑلیا وہ یہودیت جس نے اسلام کے لیے راہ ہموار کردی اور چونکہ مکہ رسول کے غور وفکر کا مرکز تھا اس لیے ابراہیم کو اس شہر کے مقدس گھر کا بانی قرار دیا گیا"[۱۱]

اسپرنگر اور سنوک نے یہ ثابت کرنے میں پورا زور صرف کر دیا ہے کہ حضرت ابراہیم کا اہلِ عرب سے کوئی تعلق نہیں ہے اور قرآن نے انھیں جن خصائص وامتیازات سے متصف کیا ہے ان کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ وہ صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گڑھی ہوئی باتیں ہیں جنھیں انھوں نے اپنے دین کو پھیلانے اور مقبول عام بنانے کے لیے گڑھ لیا تھا۔ ان کے اس شبہ سے کہ اہلِ عرب کا حضرت ابراہیم سے کوئی تعلق نہیں تھا ہم آگے بحث کریں گے۔ یہاں ان کے دیگر شبہات کا جائزہ لیں گے۔ انھوں نے قرآن کو بنیاد بنا کر یہ شبہ پیدا کرنا چاہا ہے کہ مدنی سورتوں میں حضرت ابراہیم کو حنیف، مسلم، ملت ابراہیمی کا بانی اور بیت اللہ کا موسس بتلایا گیا ہے اور حضرت اسماعیل کو ان کا فرزند قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ مکی سورتوں میں ان باتوں کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اس طرح انھوں نے یہ تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ فی الواقع حضرت ابراہیم کو یہ سب خصوصیات وامتیازات حاصل نہ تھیں۔ مگر مدینہ ہجرت کرنے کے بعد مخصوص سیاسی حالات کے سبب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کی یہ سب حیثیتیں گڑھ کر پیش کیں اور ان کو اہلِ عرب کا جدامجد قرار دیا۔

مکی اور مدنی سورتوں کا حوالہ دے کر انھوں نے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ وہ اپنے اس جائزہ میں پوری طرح غیر جانب دار ہیں اور علمی امانت ودیانت سے کام لے رہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جب ہم اس شبہ کا علمی تجزیہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے پیچھے زبردست تعصب کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ انھوں نے لوگوں کو اس دھوکے میں مبتلا کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابراہیم کا حضرت اسماعیل سے رشتہ ثابت کرتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیلؑ حضرت ابراہیم کے بڑے لڑکے تھے جو اسحاقؑ سے چودہ سال بڑے تھے۔ ان حضرات کی امانت ودیانت کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے اپنے دعوی کے ثبوت میں صرف انھیں سورتوں کا حوالہ دیا ہے جن سے بظاہر ان کی رائے کی تائید ہوتی تھی اور ان سورتوں کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں سمجھی جو علی الاعلان صراحت سے حضرت ابراہیم کا اہلِ عرب سے تعلق ثابت کرتی ہیں۔ عصبیت نے انھیں اس حد تک اندھا کر دیا کہ وہ اس مکی سورت کو بھی نہ دیکھ سکے جو"ابراہیم" کے نام سے موسوم ہے یعنی"سورۂ ابراہیم"، جس میں ان کے پیدا کردہ تمام شبہات کا جواب ہے، جو حضرت ابراہیم عرب

میں ہیں ۔ان کے ساتھ ان کے فرزند اسماعیل بھی ہیں۔ وہ اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ مکہ کو لوگوں کے لیے امن وسلامتی کا گہوارا بنا دے اور اس بے آب وگیاہ وادی میں انھیں ثمرات سے لطف اندوز فرما، وہ آیات یہ ہیں:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ○ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ○ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ○ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ○

(ابراہیم: ۳۵تا۳۹)

پروردگار، اس شہر (یعنی مکہ) کو امن کا شہر بنا اور مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ پروردگار ان بتوں نے بہتوں کو گمراہی میں ڈالا ہے۔ جو میرے طریقے پر چلے وہ میرا ہے اور جو میرے خلاف طریقہ اختیار کرے تو یقیناً تو درگزر کرنے والا مہربان ہے۔ پروردگار میں نے ایک بے آب و گیاہ وادی میں اپنی اولاد کے ایک حصہ کو تیرے محترم گھر کے پاس لا بسایا ہے۔ پروردگار یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں۔ لہٰذا تو لوگوں کے دلوں کو ان کا مشتاق بنا اور انھیں کھانے کو پھل دے۔ شاید کہ یہ شکرگزار بنیں۔ پروردگار تو جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں اور واقعی اللہ سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے نہ زمین میں نہ آسمانوں میں ـــ شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق جیسے بیٹے دیے حقیقت یہ ہے کہ میرا رب ضرور دعا سنتا ہے۔

یہ آیات واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کے بانی ہیں۔ اسی طرح ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل علیہ السلام ان کے فرزند ہیں۔

یہ دعویٰ بھی صحیح نہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کو مکی سورتوں میں 'حنیف مسلم' نہیں کہا گیا ہے۔

سورہ نحل (جو مکی ہے) میں ہے:

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل - ۱۲۰)	واقعہ یہ ہے کہ ابراہیم اپنی ذات سے ایک پوری امت تھا۔ اللہ کا مطیع وفرمان اور یکسو۔ وہ کبھی مشرک نہ تھا

اسی سورت میں آگے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیتے ہوئے ارشاد ہے:

ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (النحل - ۱۲۳)	پھر ہم نے تمہاری طرف یہ وحی بھیجی کہ یکسو ہو کر ابراہیم کے طریقے پر چلو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا)
اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام: ۷۹)	میں نے تو یکسو ہو کر اپنا رخ اس ہستی کی طرف کر لیا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

اسی سورت میں ہے:

قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (الانعام- ۱۶۱)	اے نبی کہو میرے رب نے بالیقین مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں۔ ابراہیم کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔

تعجب ہے کہ ان مستشرقین کو مکی سورتوں میں حضرت ابراہیم کے بارے میں حنیف مسلم کی صراحت کیسے نظر نہیں آئی؟

دراصل قرآن کے اسالیب میں سے ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ موقع ومناسبت اور مخاطب کے عقل وذوق کی رعایت کرتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا قصہ بہت سی سورتوں میں مذکور ہے مگر کہیں پورا قصہ یکجا نہیں ملتا۔ بلکہ اس کے مختلف اجزا مختلف سورتوں میں ضرورت، تمنا اور مخاطب کی رعایت سے بیان کیے گئے ہیں۔ کسی سورت میں کوئی جزء ہے تو کسی سورت میں

کوئی دوسرا جزء۔ اس سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سورتوں میں اختلاف ہے البتہ جو لوگ قرآن کے اس اسلوب سے ناواقف ہیں وہ اسے اختلاف ہی سمجھیں گے۔ ایک چیز یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مکی سورتیں اور مدنی سورتیں اسلوب کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ مکی سورتوں میں اختصار اور اجمال کو مدنظر رکھا گیا ہے اور ان میں صرف بنیادی عقائد بیان کیے گئے ہیں جبکہ مدنی سورتوں میں احکام شریعت کا ذکر ہے اور انھیں بسط و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ عہد مکی میں مخاطبین صرف مشرکین تھے جبکہ عہد مدنی میں قرآن کے مخاطبین میں یہود و نصاریٰ بھی شامل ہو گئے۔ مکی سورتوں اور مدنی سورتوں کا مطالعہ کرتے وقت ان چیزوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

مستشرقین کا سورہ سجدہ، سورہ سبا اور سورہ یٰسٓ کی آیات سے یہ استدلال کہ حضرت محمدؐ سے قبل عرب میں کوئی نبی نہیں مبعوث ہوا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ دراصل قرآن کے اسلوب سے ناواقفیت کی دلیل ہے قرآن نے یہ بات مشرکین کے اس دعویٰ کی تردید میں کہی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں توحید کی طرف دعوت دیتے تھے تو وہ کہتے تھے کہ ہمارے پاس پہلے سے آباء و اجداد کا دین موجود ہے:

قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا	کہتے ہیں ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقے پر پایا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں ایسا کرنے کا حکم دیا ہے
(الاعراف: ۲۸)	

قرآن نے ان کے باطل عقائد کا پردہ فاش کیا اور کہا کہ تمہارے ان عقائد کے ساتھ نہ تو کوئی نبی بھیجا گیا اور نہ کوئی کتاب نازل کی گئی۔

أَمْ لَكُمْ سُلْطَانٌ مُّبِيْنٌ فَأْتُوْا بِكِتَابِكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ	یا پھر تمہارے پاس اپنی ان باتوں کے لیے کوئی صاف سند ہے تو لاؤ اپنی وہ کتاب اگر تم سچے ہو۔
(الصافات ۱۵۶-۱۵۷)	
أَرَأَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ، أَرُوْنِيْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمٰوٰتِ اِئْتُوْنِيْ بِكِتَابٍ مِّنْ قَبْلِ هٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ	کبھی تم نے آنکھیں کھول کر دیکھا بھی کہ وہ ہستیاں ہیں کیا جنھیں تم خدا کو چھوڑ کر پکارتے ہو؟ ذرا مجھے دکھاؤ تو سہی کہ زمین میں انھوں نے کیا پیدا کیا ہے؟ یا آسمانوں کی تخلیق و تدبیر میں ان کا کوئی حصہ ہے؟

اس سے پہلے آئی ہوئی کوئی کتاب یا علم کا کوئی بقیہ تمہارے پاس ہو تو وہی لے آؤ۔ (الاحقاف ۔ ۴)

ان آیتوں کا ایک مطلب یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد اہل مکہ کی طرف کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا اس لیے کہ وہ حق پر قائم تھے اور ہدایت یافتہ تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں شرک پھیلنا شروع ہوا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔

منوک نے کہا ہے کہ "محمدؐ نے مکہ میں یہود پر بھروسہ کیا" یہ شبہ بھی انتہائی بے بنیاد ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ان امور میں جن کے بارے میں کوئی وحی نازل نہ ہوتی تھی یہود کی شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب میں سے تھے اور آپ کو ان امور میں انہیں کی شریعت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے کیونکہ یہود بھی بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے اور وہ مسلمانوں کے نزدیک بھی مقدس تھا۔ لیکن اس سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ محمدؐ مکہ میں یہود پر بھروسہ کرتے تھے اور ان سے مدد و نصرت کے خواہاں رہتے تھے۔ تاریخ تو یہ ثابت کرتی ہے کہ عہد مکی میں آنحضرتؐ کا یہود سے کوئی تعلق نہ تھا جب آپ نے مدینہ ہجرت کی تو یہود سے محبت و بھائی چارگی کا معاہدہ کیا لیکن یہود نے معاہدہ کی رعایت نہ کی بلکہ وہ دشمنی میں مشرکین سے بھی بڑھ گئے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مخالفت کا حکم دیا۔

منوک نے کہا ہے کہ "محمدؐ نے اپنا تعلق ایک نئی یہودیت سے جوڑ لیا جو ابراہیم کی یہودیت ہے"۔ یہ وہی لغو بات ہے جو یہود و نصاریٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں کہا کرتے تھے کہ ابراہیم یہودی اور نصرانی تھے۔ آخر کیسے ممکن ہے کہ ابراہیم یہودی ہوں اور یہودیت کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جائے جبکہ تورات حضرت ابراہیم کے ایک عرصہ بعد نازل ہوئی ہے یہودیت کی نسبت یہودا ابن یعقوب کی طرف ہے اور یعقوب حضرت ابراہیم کے پوتے تھے پھر آخر حضرت ابراہیم یہودیت کے تابع کیونکر ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم نے اس عجیب و غریب دعویٰ کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے:

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ	اے اہل کتاب تم ابراہیم کے (دین کے)
إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ	بارے میں کیوں جھگڑا کرتے ہو۔ تورات
وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا	اور انجیل تو ابراہیم کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں

تَعْقِلُوْنَ ○ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ	پھر کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے ـ تم لوگ
حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ	جن چیزوں کا علم رکھتے ہو ان میں تو خوب
فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ	بحثیں کر چکے۔ اب ان معاملات میں کیوں
عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا	بحث کرنے چلے ہو جن کا تمہارے پاس
تَعْلَمُوْنَ ○ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ	کچھ بھی علم نہیں۔ اللہ جانتا ہے۔ تم نہیں
يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ	جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ
كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ	وہ تو ایک مسلم یکسو تھا اور وہ ہرگز مشرکوں
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ○ (آل عمران: ۶۵-۶۷)	میں سے نہ تھا۔

اسپرنگر اور سنوک کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے محمد فرید وحدی نے لکھا ہے کہ :

"اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کے لیے راہ ہموار کرنے کے لیے اپنا رشتہ دین ابراہیمی سے جوڑنا ہی تھا تو بہتر تھا کہ آپ مکہ ہی میں ایسا کرتے۔ کیونکہ وہاں جتنے قبائل آباد تھے سب کے سب حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے۔ مدینہ پہنچ کر ایسے لوگوں کے درمیان دین ابراہیمی سے رشتہ جوڑنا جو یمن سے تعلق رکھتے تھے اور جن کا حضرت ابراہیم سے کوئی نسبی تعلق نہیں تھا دانشمندی کے تقاضے کے خلاف تھا"[۱۱]

۳۔ حضرت ابراہیمؑ کا اہلِ عرب اور خانہ کعبہ سے تعلق

مستشرقین نے اپنی "تحقیقات" سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ حضرت ابراہیم کا عرب سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ کبھی وہ مکہ تشریف لائے اور نہ انھوں نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی بلکہ دراصل کعبہ کی تاریخ مجہول ہے۔

اس کا دعویٰ اسپرنگر اور سنوک نے کیا اور کہا کہ یہ تصور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذہن کی اختراع ہے۔ جب آپ مدینہ آئے اور وہاں یہود نے مخالفت کی تو آپ نے اپنے زمانے کی یہودیت سے چھٹکارا پانے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کو ایک نئی حیثیت سے پیش کیا اور انھیں ابوالعرب اور موسس کعبہ قرار دیا جیسا کہ ہم پہلے ان کا شبہ نقل کر چکے ہیں۔

اسی طرح سر ولیم میور (SIR WILLIUM MEUR) نے کہا ہے :

> "کعبہ کی اصل اور مکہ کے مقامی مذہب کے بارے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ دونوں حضرت ابراہیم کی طرف منسوب ہیں۔ وہ بعض عادات اور رسموں کو اس قصے سے جوڑتے ہیں جو عہد قدیم میں بیان ہوا ہے۔ لیکن دراصل یہ ایک فرضی کہانی ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ مکہ اور اس کے دین کا آغاز ویسے ہی ہوا ہو جس طرح مسلمان کہتے ہیں۔ کیونکہ ان رسومات میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جسے ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جا سکے مثلاً تقبیل حجر اسود طواف کعبہ اور مکہ عرفات اور منی میں ادا ہونے والی دیگر رسمیں۔ اسی طرح بعض مہینوں کی تحریم اور حرم کا احترام وغیرہ"

پھر آخر روایتوں میں حضرت ابراہیم کا حجاز کی طرف آنا کیوں مذکور ہے؟ اس کا جواب دیتے ہوئے میور کہتا ہے۔

"یہ قصہ اسلام سے چند پشت قبل یہود نے گھڑا ہے تاکہ وہ اپنے اور اہل عرب کے درمیان رشتہ استوار کرلیں جس سے اہل عرب ان یہود کے ساتھ جو ان کے درمیان آباد تھے اچھا برتاؤ کریں اور حسن سلوک سے پیش آئیں اور جزیرۂ عرب میں یہود کو اپنی تجارت وسیع کرنے میں آسانی ہو" اپنے دعوں پر وہ یہ دلیل بھی قائم کرتا ہے کہ عرب کے دینی ماحول اور دین ابراہیم میں کوئی تعلق نہیں کیونکہ عرب کا ماحول خالص مشرکانہ تھا جبکہ ابراہیم حنیف مسلم تھے۔

اسی طرح مستشرقین نے خانۂ کعبہ کا تعلق بھی حضرت ابراہیم سے منقطع کرنے کی کوشش کی ہے مگر مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ اس کوشش میں خود ان ہی کے درمیان باہم تضاد پایا جاتا ہے بعض مستشرقین کہتے ہیں کہ خانہ کعبہ کا ذکر قدیم تاریخوں میں بھی ملتا ہے اس لیے وہ آپ کا تعمیر کردہ نہیں ہو سکتا تو بعض مستشرقین دعوی کرتے ہیں کہ اس کا قدیم تاریخ میں کوئی تذکرہ نہیں ملتا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کے بہت زمانہ کے بعد تعمیر ہوا۔ مستشرقین کے پہلے گروہ میں سر ولیم میور قابل ذکر ہے۔ موخر الذکر گروہ میں سے مارگولیتھ کہتا ہے:

> "قدیم تاریخوں میں اس شہر کا نام نہیں ملتا..... اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانوں نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البناء قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی"

اس طرح موصوف نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ مکہ حضرت ابراہیم کے بہت زمانے کے بعد آباد ہوا۔ اس لیے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کا مکہ آنا مبنی بر حقیقت نہیں۔

ڈوزی کہتا ہے :

"حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں شمعونیوں نے (جنھیں مورخین نبو جرہم کے نام سے یاد کرتے ہیں) کعبہ کی تعمیر کی"۔[۳۱]

جہاں تک حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کے عرب میں آنے کا تعلق ہے تو اس سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ تورات خاموش ہے بلکہ اس میں واقعات کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل کا عرب سے کوئی تعلق ہی ظاہر نہ ہو۔ سفر تکوین میں ہے کہ پہلے حضرت ہاجرہ سے اسماعیل کی ولادت ہوئی بعد میں حضرت سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوئے۔ اسماعیل جب بڑے ہوئے تو حضرت سارہ نے یہ کہہ کر کہ "وہ ٹھٹھے مارتا ہے" حضرت ابراہیم سے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو گھر سے نکال دینے کو کہا چنانچہ :

"ابرہام نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی اور اسے ہاجرہ کو دیا بلکہ اس کے کندھے پر رکھ دیا اور لڑکے کو بھی اس کے حوالہ کر کے اسے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی اور بیرسبع کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی ...... اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا اور وہ بڑا ہوا اور بیابان میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا اور وہ فاران کے بیابان میں رہتا تھا اور اس کی ماں نے ملک مصر سے اس کے لیے بیوی لی ....."[۳۲]

عہد قدیم کے اس بیان پر مولانا مودودیؒ تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"یہ پوری جھوٹی داستان اس لیے گڑھی گئی ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کا عرب، مکہ اور کعبہ اور زمزم سے کوئی تعلق سرے سے ظاہر ہی نہ ہو۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کے سفر عرب پر بالکل پردہ ڈال دینے اور حضرت اسماعیل کے چودہ برس تک فلسطین میں قیام اور اس کے بعد بیابان فاران میں ان کے رہنے اور وہیں پانی کا کنواں برآمد ہونے اور مصر کی کسی عورت سے ان کی شادی ہونے کا ذکر اسلام کی تاریخ کے اس پورے باب پر خط نسخ پھیر دیتا ہے جس کا تعلق دین ابراہیمی کے عربی مرکز سے ہے۔ بائبل میں فاران کے بیان کا جو ذکر مختلف مقامات پر

کیا گیا ہے اس کی رو سے وہ فلسطین کے جنوب وادیٔ عربہ کے مغرب دشت سینا کے شمال اور مصر و بحر روم کے مشرق میں واقع تھا۔ عرب کے بیابان فاران سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا جن میں مکہ واقع ہے"۔[۱۹]

تورات کی مذکورہ بالا تصریحات جیسی بھی ہوں۔ ان سے کم از کم اتنا تو ضرور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسماعیل نے فاران کے بیابان میں سکونت اختیار کی" فاران" کے بارے میں عیسائی مصنفین اور مسلمان مصنفین میں شدید اختلاف رہا ہے۔ عیسائی فاران اس مقام کو قرار دیتے ہیں جو جزیرہ نمائے سینا کے مغرب میں، مصر سے متصل ہے بعض کوہ سینا کے دامن کو اس کا محل وقوع قرار دیتے ہیں جبکہ مسلم مصنفین اسے عرب میں قرار دیتے ہیں چنانچہ معجم البلدان میں تصریح ہے کہ فاران حجاز کے پہاڑ کا نام ہے۔ سید سلیمان ندوی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"عرب، حجاز، مکہ، کعبہ یہ جتنے الفاظ و اسماء ہیں۔ اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ لفظ عرب دسویں صدی قام میں پیدا ہوا ہے (دیکھو جغرافیہ بطلیموس) حجاز کا لفظ اس سے بھی زیادہ مستحدث ہے۔ مکہ کا نام دوسری صدی مسیحی میں بطلیموس کے یہاں سب سے پہلے" مکارا" کی شکل میں نظر آتا ہے۔ اسی لیے تورات نے اس مقام کا نام" مدبار" یعنی بادیہ بتلایا ہے اور قرآن نے اسی کو" واد غیر ذی زرع" (بن کھیتی کی زمین) کہا کہ اس کے سوا اس کا اس وقت کوئی دوسرا نام نہ تھا۔ مدت کے بعد یہی لفظ بادیہ و صحرا اور وادی غیر ذی زرع اور عرب ہم معنی لفظ ہو گئے، اس لیے تورات کا یہ کہنا کہ اسماعیل نے بادیہ میں سکونت اختیار کی۔ اس کے بالکل یہ معنی ہیں کہ اس نے عرب میں سکونت اختیار کی"۔[۲۰]

تورات کتاب پیدائش میں بنی اسماعیل کی جائے سکونت کے بیان میں یہ مذکور ہے :

"اور اس کی اولاد حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راستے پر ہے جس سے اشور کو جاتے ہیں آباد تھی"۔[۲۱]

اور مصر کے سامنے اس تحدید کے مطابق جو علاقہ تھا وہ عرب ہی ہو سکتا ہے۔

ایک اشارہ عہد نامہ جدید میں گلتیوں کے نام پولس رسول کے خط کی ایک عبارت سے بھی ملتا ہے :

"ابرہام کے دو بیٹے تھے ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے مگر لونڈی کا بیٹا

پر اور آزاد کا بیٹا وعدہ کے سبب سے پیدا ہوا۔ ان باتوں میں تمثیل پائی جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہ عورتیں گویا دو عہد ہیں۔ ایک کوہ سینا پر کا جس سے غلام ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ ہاجرہ ہے اور ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے[۲۲]

ہاجرہ کو عرب کا کوہ سینا قرار دینے کا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے؟!

عقل سلیم بھی حضرت ابراہیم کے مکہ آنے کی تائید کرتی ہے۔ آپؑ نے محض خدا کے دین کی اشاعت کے لیے گھر بار چھوڑا۔ عراق سے ہجرت کی۔ حران میں کچھ دن قیام کر کے شام آگئے اور فلسطین میں قیام کیا۔ پھر مصر گئے آپؑ نے ہر جگہ لوگوں کو خدا کی طرف بلایا۔ مگر مختلف تہذیبوں اور مذاہب کے دام میں گرفتار لوگوں نے کم ہی دھیان دیا۔ اس لیے یہ بات عین مقتضائے عقل اور قرین قیاس ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے علاقوں کی تلاش کی ہو جو ان تہذیبوں اور مذاہب کے اثرات سے آزاد ہوں۔ اس بات کو مزید تقویت اس بات سے ملتی ہے کہ مکہ یمن سے شام جانے والی شاہراہ پر واقع تھا جنوب عرب سے شام جانے والے قافلے اسی راہ سے ہو کر گزرتے تھے۔ یہی نہیں بلکہ تاریخوں میں آتا ہے کہ مکہ (جو اس زمانہ میں آباد نہیں ہوا تھا) ایک تجارتی اسٹیشن تھا جہاں شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال جانے والے قافلے آکر ٹھہرتے تھے اور وہاں آرام کر کے پھر اپنا سفر شروع کرتے تھے[۲۳] اسی لیے یہ ظن غالب یقین کے درجے تک پہنچ جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جو سفر کے عادی تھے اور سیکڑوں ہزاروں میل کا سفر طے کر چکے تھے اس شاہراہ سے بھی واقف ہوں اور اس پر سفر کرنے والے قافلوں تک پیغام حق پہنچانے کی خواہش ان کے دل میں پیدا ہوئی ہو۔ اور اس خواہش کے تحت انھوں نے اس مشہور تجارتی اسٹیشن میں اپنی اولاد کو لا بسایا ہو، اور جیسا کہ خود تورات سے یہ ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم جہاں بھی تشریف لے جاتے تھے وہاں ایک قربان گاہ اور معبد تعمیر کرتے تھے۔ اس لیے عین ممکن ہے کہ اس جگہ بھی ایک معبد تعمیر کیا ہو اور جبکہ حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کے عرب جانے اور عبادت گاہ تعمیر کرنے کے سلسلے میں تاریخ سے بھی اشارے ملتے ہیں اور قرآن کریم بھی پورے جزم و یقین سے صراحت کرتا ہے تو محض وہم و گمان کی بنیاد پر اسے رد کر دینا خلاف عقل و منطق ہے۔

اس تاریخی واقعہ کا انکار محض اس بات سے ممکن نہیں کہ عرب کا دینی ماحول اس کی تائید نہیں کرتا میور کی اس رائے کی تردید کرتے ہوئے محمد حسین ہیکل کہتے ہیں :

"حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی وفات کے صدیوں بعد عرب میں

پائی جانے والی بت پرستی اور شرک سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اہل عرب حضرت ابراہیم واسماعیل کے زمانے میں بھی مشرک رہے ہوں۔ اگر ہم بالفرض اس زمانے میں بھی بت پرستی اور شرک کا وجود مان لیں تو اس سے میور کی تائید نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کی دعوت ان میں عام نہ ہو سکی ہو۔ ان کے بت پرستی نہ چھوڑنے سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے عرب جانے کی تردید کہاں ہوتی ہے؟"[۲۴]

میور کا حضرت ابراہیم کے مکہ آنے کو ایک فرضی کہانی قرار دینا بالکل بے بنیاد ہے۔ تعجب ہے کہ میور کو تقبیل حجر اسود، طواف کعبہ اور مکہ، عرفات اور منیٰ میں ادا ہونے والی رسموں میں حضرت ابراہیم سے کوئی تعلق نہیں دکھائی دیتا۔ حالانکہ یہ تمام رسمیں حضرت ابراہیم کی یاد کی تجدید اور خدا کی بارگاہ میں بجالانے والے اعمال اور قربانیوں کی یادگار ہیں۔

شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے یا خدا کے لیے نذر کرتے تھے وہ بار بار معبد یا قربانی کے پھیرے کرتا تھا۔ حج میں خانہ کعبہ کا طواف اسی شریعت ابراہیمی کی یادگار ہے۔ منیٰ میں کی جانے والی قربانی حضرت ابراہیم کے اس عمل کی یادگار ہے کہ آپ خواب میں وحی الٰہی کا اشارہ پاتے ہی اپنے لخت جگر کو قربان کرنے پر تیار ہو گئے تھے۔ صفا اور مروہ کے درمیان سعی اس کیفیت کی یادگار ہے جس کا اظہار حضرت اسماعیل کو پیاس سے تڑپتا دیکھ کر حضرت ہاجرہ سے اضطراری طور پر ہوا تھا۔ اس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا مودودیؒ کہتے ہیں:

> "کعبہ کی تعمیر کے بعد جب سے حج کا سلسلہ حضرت ابراہیم ہی کے زمانے میں شروع ہوا۔ اس وقت سے آج تک سیکڑوں پھر ہزاروں پھر لاکھوں پھر کروڑوں انسان اس واقعہ کی یاد میں سعی بین الصفا والمروہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ ہزاروں برس کا متواتر عمل جو بلا انقطاع اس وقت سے آج تک ہو رہا ہے اس واقعہ کا ایسا ثبوت ہے جس سے بڑھ کر کسی تاریخی واقعہ کا ثبوت دنیا میں موجود نہیں ہے اس کے برعکس بائبل بیابان فاران کا جو واقعہ بیان کرتی ہے وہاں نہ پہلے کبھی اس طرح کی سعی ہوئی نہ آج ہو رہی ہے"[۲۵]

دراصل میور کو یہ سب ماننے میں پریشانی یہ ہے کہ وہ ذبیح حضرت اسحاق کو مانتے ہیں اور قربان گاہ

مکہ میں مروہ کے بجائے فلسطین میں مورہ یا موریا کو قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اب حضرت اسماعیل کا ذبیح ہونا اور مروہ کا قربان گاہ ہونا اس حد تک واضح ہو چکا ہے کہ ہٹ دھرم اور شدید متعصب کے سوا کوئی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ ان مباحث پر مسلم مصنفین اور عیسائی مصنفین میں معرکۃ الآراء بحثیں ہوئی ہیں اور چونکہ انھوں نے مذہبی تعصب کی شکل اختیار کر لی ہے اس لیے آپ اس پر مزید بحث دور از کار ہے۔

مکہ مکرمہ اور خانہ کعبہ کا تذکرہ خواہ قدیم تاریخوں میں ہو یا نہ ہو اس سے نفس واقعہ کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ عدم علم عدم وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ مکہ کی قدامت ثابت کرتے ہوئے میور نے جن تاریخوں کا حوالہ دیا ہے وہ سب کی سب حضرت ابراہیمؑ سے بہت بعد کی ہیں۔ سب سے قدیم شہادت جس میں مکہ کا تذکرہ ملتا ہے ہیروڈوٹس کی ہے جو چوتھی صدی قبل مسیح کا مورخ ہے اور اگر ہم خانہ کعبہ کو حضرت ابراہیم سے قبل بھی مان لیں تب بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت ابراہیم نے کعبہ کی تعمیر نہیں کی اور وہ مکہ کبھی نہیں آئے۔ اسلامی تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ خانہ کعبہ سب سے پہلے حضرت آدم نے تعمیر کیا طوفان نوح میں کعبہ آسمان پر اٹھا لیا گیا اس کے بعد حضرت ابراہیم کے زمانے تک کعبہ کی جگہ خالی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیل کی مدد سے اسے دوبارہ تعمیر کیا[۲۲]۔ قرآن کی تعبیر سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے:

واذ یرفع ابراھیم القواعد من	اور یاد کرو اس وقت کو جب ابراہیم اور
البیت واسماعیل (البقرہ-۱۲۷)	اسماعیل اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے

بنیاد اٹھانے سے اشارہ ملتا ہے کہ بنیاد پہلے سے موجود تھی۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل نے اس پر دیواریں کھڑی کر دیں اور عمارت تیار کر دی۔

دوسری طرف مارگولیتھ نے یہ کہہ کر کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی۔ یہ شبہ پیدا کرنے کی کوشش کی ہے کہ مکہ کی آبادی اور کعبہ کا قیام حضرت ابراہیم کے بہت زمانہ کے بعد عمل میں آیا۔ یہ بھی صحیح نہیں۔ مورخین نے جابجا تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے بالمقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے اس لیے عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ خیموں اور شامیانوں میں رہتے تھے۔ اس طرح مکہ ہمیشہ خیموں کا ایک وسیع شہر تھا[۲۳] اور سب سے پہلی عمارت سعید بن عمرو نے بنوائی۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مکہ میں پہلے کوئی آبادی ہی نہیں تھی۔

حواشی

۱؎ مولانا مودودی، تفہیم القرآن چہارم سورہ صافات حاشیہ ص۶۷

۲؎ عہدنامہ جدید گلیتوں کے نام پولس رسول کا خط باب ۲۵ آیت ۲۴

۳؎ مشہور عرب اہل قلم عبدالحمید جودہ السحار نے بیش۲۰ جلدوں میں السیرۃ النبویہ کا سلسلہ لکھا ہے اس کی پہلی جلد میں (جو ابراہیم ابوالانبیاء کے نام سے ہے) حضرت ابراہیم کے حالات بیان کرتے ہوئے آخر میں ایک ضمیمہ میں اس اہم موضوع پر بحث کی ہے اور متعدد دلائل دیے ہیں۔

۴؎ ڈاکٹر محمد احمد خلف اللہ۔ الفن القصصی فی القرآن الکریم ص۴۵

۵؎ طٰہٰ حسین، فی الشعر الجاہلی بحوالہ الاسرائیلیات واثرہا فی کتب التفسیر ص۲۰۴

۶؎ عبدالماجد دریابادی، قصص ومسائل ص۱۱

۷؎ عباس محمود العقاد، ابراہیم ابوالانبیاء ص۱۵۲

۸؎ عبدالماجد دریابادی، قصص ومسائل ص۱۱۲

۹؎ اسی شبہ کی تردید میں عباس محمود العقاد نے ایک ضخیم کتاب 'ابراہیم ابوالانبیاء' لکھی ہے جس میں انھوں نے اسلام، یہودیت، مسیحیت، صابئیت کے دینی مراجع، ہیروڈوٹس، یوسیفوس اور دیگر قدیم مورخین کے تاریخی مراجع اور جدید اثری تحقیقات کی روشنی میں پورے دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ ابراہیمؑ کی ایک تاریخی شخصیت ہے جس کا ذکر تمام قابل ذکر مراجع میں ملتا ہے۔ اسی طرح انھوں نے حضرت ابراہیم کی حیات کے تمام واقعات — اُر سے حران کی طرف ہجرت حران سے کنعان کی طرف ہجرت، کنعان سے مصر کی طرف ہجرت اور آخر میں مکہ کی طرف ہجرت اور وہاں خانۂ خدا کی تعمیر وغیرہ — کو قرین عقل ثابت کیا ہے اور بتلایا ہے کہ اس زمانے کے حالات اسی ترتیب اور ایسے ہی واقعات کے متقاضی تھے۔

۱۰؎ ۲۰۱۰ء میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کے زیر نگرانی منعقد ہونے والے عالمی سمینار بعنوان "اسلام اور مستشرقین" میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی نے اپنے پیش کردہ مقالہ میں مستشرقین کے اس شبہ کا علمی جائزہ لیا تھا۔ جو بعد میں دارالمصنفین کے آرگن 'معارف' میں بھی شائع ہوا۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے عربی ترجمہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ' میں بھی مقالہ' ابراہیم' کے حاشیہ میں محمد فرید وجدی نے اس شبہ کا علمی تجزیہ کیا ہے۔

۱۱؎ یہ وہی مستشرق ہے جس نے 'مفتاح کنوز السنۃ' کے نام سے صحاح ستہ کا انڈکس تیار کیا ہے اور ایسا عظیم الشان علمی کارنامہ انجام دیا ہے جس پر مسلمان اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔ لیکن یہی مستشرقین

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں اپنے مقالہ 'ابراہیم' میں جن خیالات کا اظہار کرتا ہے ان سے اس کی اسلام دشمنی اور علمی خیانت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱۲؎ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ ونسنک کا مقالہ 'ابراہیم'

۱۳؎ دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد اول، مقالہ 'ابراہیم' پر فرید وجدی کا حاشیہ ص۲۹

۱۴؎ سر ولیم میور، لائف آف محمد، مقدمہ کا تیسرا باب، جس میں میور نے مکہ کے دین کی قدامت کے بارے میں بحث کی ہے۔ ۱۵؎ ایضاً

۱۶؎ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ مارگولیتھ کا مقالہ 'محمد' جلد۱۷ ص۳۹۹

۱۷؎ ڈاکٹر جواد علی، المفصل فی تاریخ العرب قبل الاسلام جلد۴ ص۱۲

۱۸؎ عہدنامہ قدیم۔ کتاب پیدائش باب۲

۱۹؎ مولانا مودودیؒ۔ سیرت سرورِ عالم جلد دوم ص۵۴

۲۰؎ سید سلیمان ندویؒ۔ ارض القرآن جلد دوم ص۴۷

۲۱؎ عہدنامہ قدیم۔ کتاب پیدائش باب ۲۵ آیت ۱۸

۲۲؎ عہدنامہ جدید، گلیتوں کے نام پولس رسول کا خط باب۴ آیت ۲۴ ــ ۲۵

۲۳؎ مکہ والمدینہ فی الجاہلیۃ وعہد الرسول ص۹۹

۲۴؎ محمد حسین ہیکل۔ حیاۃ محمد ص۸۹

۲۵؎ مولانا مودودیؒ، سیرت سرورِ عالم جلد دوم ص۵۷ حاشیہ

۲۶؎ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں: "حضرت ابراہیم سے قبل کعبہ کے موجود ہونے کے سلسلہ میں آنحضرتؐ سے کوئی حدیث مروی نہیں ہے۔ البتہ مورخین نے (جیسے ازرقی نے اخبار مکہ میں اور قاضی تقی الدین الفاسی نے شفاء الغرام میں) خانہ کعبہ کے سات مرتبہ تعمیر ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کی رو سے حضرت ابراہیم سے قبل خانہ کعبہ کی تعمیر تین مرتبہ ہوئی، پہلی ملائکہ کے ہاتھوں، دوسری آدم علیہ السلام کے ہاتھوں، تیسری بنو آدم کے ہاتھوں، بعض روایات کی رو سے ملائکہ اور حضرت آدم نے بیک وقت تعمیر کی (البدایہ والنہایہ جلد اول ص۱۶۳)

۲۷؎ علامہ شبلی نعمانی۔ سیرت النبی اول ص۱۵۳
